عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ/مئی ۲۰۰۷ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت: حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم،
مولانا محمد امین دوست، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد،
مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: 9

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

حدیثِ نا گفتنی (چھٹی قسط)

میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

کتب تاریخ:

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تاریخی کتب تاریخِ اسلام، تاریخِ دولتِ عثمانیہ، تاریخ اندلس، تاریخ صقلیہ وغیرہ ایک ایک نظر سے گذریں۔ شبلی مرحوم کا ایک قول حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے حیاتِ شبلی میں نقل کیا ہے کہ ''تاریخ تو شبلی کے دسترخوان کی چٹنی تھی۔'' یہ چٹنی زبان کا چٹخارہ بن گئی اور اپنے تاریخی ذوق کی آبیاری عربی اردو اور انگریزی کی کتابوں سے کرتا رہا۔ عربی میں طبری، ابن خلدون، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن قتیبہ، بلاذری وغیرہ کتابیں دیکھیں۔ انگریزی میں فلپ ہٹی کی ہسٹری آف عربز اور ہسٹری آف سیریا، گبن کی Decline and fall of Roman empire میور کی The Caliphate اور دیگر متعدد کتب اور انسائکلو پیڈیا بریٹانیکا اور انسائکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ کے متعدد حصے پڑھے اور ان کا تریاق اپنے بوریا نشین مؤرخین ہی کی کتابوں میں دکھائی دیا۔ مستشرقین کا طبقہ بڑا پرکار ہے، ان کے شہد نما سم قاتل (ہلاک کرنے والا زہر) سے بچنے کے لیے گہری نگاہ اور ہوشمند دل کی ضرورت ہے۔

دارالمصنفین نے استشراق کے فتنہ کا جس بے جگری سے مقابلہ کیا اس کی مثال معاصر عہد میں کم ہی ملتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہاں دارالمصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین، دائرۃ المعارف حیدرآباد، تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ جیسے متعدد ادارے موجود ہیں، جن کی اکثر کتابیں دنیا کی کسی بھی مجلس علمی کے لیے فخر ومباہات کا سبب بن سکتی ہیں۔

دارالمصنفین نے سوانح پر جو کتابیں شائع کی ہیں وہ تحقیق واستناد کی بلندی کے ساتھ اردو ادب کا اعلیٰ سرمایہ ہے۔ غرض ہیچمدان دارالمصنفین کی کتابوں کا ہمیشہ زلہ بار رہا اور اپنی جہالت کی پردہ پوشی ان کتابوں کی ورق گردانی سے کرتا رہا۔ دارالمصنفین کے ساتھ تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی علمی وادبی تصنیفات سے خوشہ چینی کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔ فقیر

جدید طبقہ اور عام مسلمانوں کی ذہنی الجھنوں کا مداوا بڑی حد تک ان اداروں کی مطبوعات میں پاتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ:

عرض کر چکا کہ شبلی کی سیرت نے سیدی ومطاعی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک پہنچا دیا۔ حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہٗ میرے صرف دینی اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۳ء تک کا دس سالہ زمانہ ایسا گذرا کہ جہاں بھی رہا دل ان کے پاس تھا، اور ان کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لیے سرمۂ بینش ، مایۂ تسکین، مہمیزِ عمل اور روشنی کا مینار تھی۔ سیرۃ النبی کے بعد ''سلیمانیات'' کا جو حرف وشوشہ ملا حرزِ جان تھا۔ میرے لیے علم وعمل کی بلندیوں کا دائرہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات بن گئی تھی۔ گو ان کی نگاہِ پاک اور پرِ پرواز کا جو تقاضا تھا اس کی پر کاہ کو بھی نہ پا سکا کہ......

فیضِ ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار
دل حریف مئے بسیار کہاں سے لاؤں

تاہم اپنی کوتاہیوں کے باوجود فکر ونظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والاؒ کی تحریروں اور ارشادات سے پائی اور بحمداللہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایۂ زندگی ہے

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

حضرت والا قدس سرہٗ کو دین ومذہب کے علاوہ تاریخی[1] ادبی، علمی، تحقیقی غرض ہر راہ میں اپنا امام سمجھا اور بحمداللہ آج بھی حال یہ ہے کہ

خدا جانے مجھے کیا کہہ کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جا چکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

---

[1] حضرت سید صاحبؒ کا تاریخ میں مقام مسلمہ ہے۔ آپ کی نظر تاریخ کے جملہ شعبوں پر انتہائی عمیق تھی۔ آپ کی تحریروں میں اتنا رہنما مواد مل جاتا ہے جس کی بنیاد پر تحقیق کی نئی اور عظیم راہیں کھل سکتی ہیں۔ فقیر نے اپنے انگریزی مقالہ The early Indo-Arabic Relations میں حضرت ہی کی کتابوں کو بنیاد بنا کر اپنے خاکہ میں رنگ بھرا ہے۔ گو دیگر مصادر بھی کافی ہیں لیکن بنیاد اور خیال انگیز حضرت ہی کا سرمایہ ہے۔ اس مقالہ میں چار ہزار قبل مسیح سے لے کر عربوں کی فتح سندھ تک عرب وہند کے تعلقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ میرا ایم۔اے عربی کا مقالہ تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت کی اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' کے نام سے موجود ہے۔

حضرت والا قدس اللہ روحہ کی تحریریں میری زندگی پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی تھیں اس کا اندازہ صرف دو واقعات سے فرمالیجئے۔

۱۔ حضرت تھانویؒ کی کتابیں بہشتی زیور، التکشف وغیرہ والدہ صاحبہ مدظلہا کے کتب خانہ میں موجود تھیں، لیکن ان دونوں کتابوں میں ''پیرومرید'' کے باہمی آداب وضوابط پڑھ کر 'راہِ سلوک' مجھ جیسے کوتاہ ہمت کو پہاڑ معلوم ہوتی تھی۔ اور اس گھاٹی کے قریب جانا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اس بارے میں ذہنی کشمکش و حیص بیص میں مبتلا تھا کہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۳ء (۱۵ رجب ۱۳۹۳ھ) کو شیخ الکل حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا۔ اخبار ''ڈان'' دہلی میں سانحہ ارتحال کی خبر پڑھی اور اس میں حضرت قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت سید صاحبؒ کا نام پڑھا۔ خوش بختی نے کہا:

ع　　آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اس تقریب کو حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رسائی کا بہانہ بنایا۔ خط لکھا، چوتھے دن خط کا جواب اعظم گڑھ سے پشاور پہنچا۔ مقصد بر آیا اور سلوک کی مہیب راہ حکمتِ سلیمانی سے گلکدہ جنت معلوم ہونے لگی۔ سچ ہے

ع　　ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

پھر کیا تھا، درِ مکاتبت وا تھا، دل بے اختیار پکار رہا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (النمل۔۴۴)

ترجمہ: اے میرے پروردگار میں نے اب تک اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں اب سلیمان کے ساتھ اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے پر ایمان لائی۔

اور زبانِ حال کہہ رہی تھی:

ے　　اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں
　　اسکی مٹی میں بھی فیضِ جام ہے

حضرت حکیم الامت قدس روحہ کے وصال پر جو مضمون معارف اعظم گڑھ [۱] میں آیا اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور کوچۂ سلیمانی کی گرد ہمیشہ کے لیے سرمۂ چشم [۲] بن گئی اور طریق اشرفی کی بادہ پیمائی سرمایۂ سعادت ٹھہری......

؎ حیاتِ نو مجھے ان کی نگاہِ ناز نے بخشی
بھرا ہے آبِ حیواں کاسۂ زہر ہلاہل میں

۲۔ معارف ستمبر ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا الیاس اور ان کے سفر لکھنؤ و کانپور وغیرہ کے حالات کلکِ سلیمانی نے اس تاثیر میں ڈوب کر لکھے تھے کہ ہر بات اپنا اثر دکھاتی گئی۔

؎ ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوی باطل میں

اور نتیجتاً زندگی ان کی تحریک [۳] کی گرد بن کر رہ گئی۔

علامہ شبلی مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انھیں سید سلیمان ندویؒ جیسا ہونہار و باوفا شاگرد مل گیا جس

---

[۱] پہلے خط کے بعد اگست ۱۹۴۳ء کا معارف آیا۔ حضرت سید صاحب نے ارتحالِ شیخ قدس سرہٗ پر ''موت العالم موت العالَم'' کے عنوان سے کاغذ پر اپنے سوختہ اور خون شدہ دل کے ٹکڑے بکھیر دئے تھے۔ اس منثور مرثیہ کی ہر بات نشتر بن کر دل میں پیوست ہوگئی اور عظمتِ اشرفیہ کا انمٹ نقش قلب پر مرتسم ہو گیا۔

[۲] حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے سلوک پر بندہ کی ایک کتاب ''سلوکِ سلیمانی'' شائع ہو چکی ہے۔ اور دوسری ضخیم کتاب ''شاہراہ معرفت'' (جس پر حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مقدمات اور حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب مدظلہٗ جیسے اکابر کی تقریظ ہے) ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔

[۳] تبلیغی کام اعلائے کلمۃ اللہ اور احیاءِ دین کے لیے ایک عملی جدوجہد اور کوشش ہے جس کا خاکہ وعملی ڈھانچہ نصوص قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کام نظری سے زیادہ عملی ہے اس لیے اصلاً اس کے مالہ وما علیہ کے سمجھنے کے لیے اس کام کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ معتد بہ وقت گذارنا ناگزیر وضروری ہے۔ تاہم دیگر تحریری کوششوں کے علاوہ فقیر کی بعض قلمی کاوشیں ایک گونہ اس کام کے وضوح میں مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ۱۔ الفرقان لکھنؤ میں چھ نمبروں پر متعدد مضامین ۲۔ کتاب پیام رساں امت ۳۔ الفرقان لکھنؤ کے حضرت مولانا یوسف نمبر میں بندہ کا مقالہ ''صدیق وقت ویوسف اقلیم تبلیغ ودعوت''۔ کاش فقیر کی تشنۂ تکمیل کتاب ''نظام ہدایت'' مکمل ہو جاتی تو اس سلسلہ میں کافی مواد منظرِ عام پر آجاتا۔

نے استاذ مرحوم کے کاموں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ چالیس سال تک اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے نکھارتے اور آگے بڑھاتے رہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ استاذ مرحوم سے علم وتقویٰ میں گوئے سبقت لے گئے تھے لیکن وفا شعاری کا کمال تھا کہ اپنی تمام رفعتوں کو استاذ کے آستانہ پر قربان کرتے رہے اور جب تک سلیمان ندویؒ زندہ رہے شبلی کی مسند علم خالی نہ ہوسکی۔ کاش حضرت سید صاحبؒ کو اپنے جیسا کوئی امام الادقیاء (پیچیدہ باتوں کو سمجھنے والا) اور فدائی مل جاتا جوان کے محاسن وفضائل، مزایا و کمالات اور کارناموں کو نہ صرف اجاگر کرتا بلکہ انھیں مزید جلا بخشتا۔

فمن يسع او يركب جناحي نعامة
ليدرك ما قدمت بالامس يسبق

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شبلی لکھ کر نہ صرف استاذ مرحوم کے کارناموں کو نکھارا بلکہ مسلمانانِ ہندوپاک کی پچاس سالہ علمی وثقافتی، ادبی وسیاسی تاریخ بھی قلمبند فرما گئے۔ اس مبسوط سوانح کا بڑا کمال یہ ہے کہ استاذ کی بے مثال محبت تاریخیت وحقیقت کو مجروح نہ کرسکی۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کی قلمی دیانت وتاریخی غیر جانبداری کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ شبلی کی بے پایاں عقیدت کے باوجود یہ بلیغ فقرہ حیات شبلی میں رقم فرمادیتے ہیں: ''بہر حال شبلی شبلی تھے جنید وشبلی نہ تھے۔''

حیاتِ شبلی کا دیباچہ ومقدمہ مستقل اہمیت کی وقیع علمی دستاویزیں ہیں۔ غرض اپنی گوناں گوں خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب اردو کی مبسوط سوانح عمریوں میں سب پر گوئے سبقت لے گئی ہے اور اردو کلاسیکی ادب میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ حضرت سید صاحب کی کتابوں میں ''خیام'' اپنی نظیر آپ ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سید صاحب کو اس کتاب کے بارے میں خوب لکھا تھا ''عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کرسکے گا۔ الحمد للہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔'' یہ کتاب خیام پر مباحث کے علاوہ دیگر کئی مسائل پر عجیب ونادر تحقیقات کا انمول مجموعہ ہے۔ مثلاً فارسی رباعی کی تاریخ اور فلسفیانہ تصوف وغیرہ کی بحثیں قابل دید ہیں۔ یہ کتاب اردو ادب کے تحقیقی سرمایہ کا فخر ہے۔

تاریخ ارض القرآن جوانی کی ابتدائی تصنیف ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر پہلی اور سب سے زیادہ کامیاب کتاب ہے۔گوحضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہ خود فرماتے تھے کہ یہ کتاب اب نیا پرواز چاہتی ہے لیکن اس کی تالیف پر ساٹھ سال گذر جانے پر بھی اس موضوع پر معتد بہ اضافہ نہ کیا جاسکا اور یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی رہی۔

سیرت عائشہ حضرت ام المؤمنینؓ کی بے مثل سوانح ہے یا یوں کہئے ''سیرت نبوی'' کا صنف نازک کی نسبت سے تتمہ ہے۔ جو حضرت صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کمالات علمی وعملی کا نادر مرقع و آئینہ ہے جسے دیکھ کر ہر زمانے کی عورتیں اپنی زندگی سنوار سکتی ہیں۔''حیات مالک'' امام دارالہجرۃ کی بہترین سوانح ہے۔

''عربوں کی جہازرانی'' اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔''عرب و ہند کے تعلقات'' حضرت سید صاحب کی تاریخی بالغ نظری و وسعت مطالعہ پر شاہد ہے۔

سید القلم تقریباً نصف صدی تک رواں دواں رہا۔تصنیفی عمر کے ان پچاس سالوں میں حضرت سید صاحبؒ نے متعدد وضخیم کتابوں کے علاوہ بے شمار علمی و ادبی مقالات اور کتابوں پر مقدمات لکھے،صدارتی علمی خطبات پڑھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر علم و دانش،تحقیق وادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔مزید برآں ہزارہا علمی وتحقیقی مسائل کے جواب لکھے،بے شمار مکتوبات تحریر فرمائے جن کی افادیت مسلمہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دارالمصنفین کے اس زاویہ نشین درویشِ بے گلیم نے علم وتحقیق کی کتنی محفلیں سجائیں اور دین و مذہب کی کتنی گتھیاں سلجھائیں اور عہد حاضر کے استشراق اور علمی فتنوں کا کس بے جگری و کامیابی سے مقابلہ کیا۔مجھ سا کم ظرف (جو سراپا ان کی نگاہ کا پروردہ ہے) ان کے کمالات کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

ع دامن نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار

تاہم فقیر کی جستجو وکوشش یہی رہی کہ دانش وعرفان سلیمانی کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہ رہے،گو......

ع برنتابد کوہ را یک برگِ کاہ

(جاری ہے)

بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم!

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جس کام کو مسلمان جماعت کی شکل میں کریں وہ آسان ہو جاتا ہے کسی کو یاد ہے یہ حوالہ۔ بیان میں شریک مفتی صاحب سے پوچھا۔ مفتی صاحب نے یہاں پر ایک حدیث بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جماعت پر۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے کہا ایک وہ ہے اور ایک یہ ہے کہ مسلمان کسی کام کو مل کر کریں باہمی تعاون سے کریں، اللہ تعالیٰ اُس کو آسان کر دیتا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک حدیث ہے تو اُسی سے ہمارے علاقے کی اَشر کا تصور ہے ۔"اشر جانتے ہیں" مفتی صاحب، "نہیں جانتے۔" پہلے زمانے میں مزدور کا تصور نہیں تھا۔ اس طرح ہوتا تھا کہ مثلاً ہماری فصل تیار ہوگئی ہے تو سارے گاؤں والے مل کر پہلے اُس کو کاٹیں گے اُس کو اَشر کہتے تھے۔ اُس میں کھانے کا بندوبست اُس آدمی کے ذمے ہوتا تھا جس کی اشر ہوتی تھی پھر ہماری فصل ختم ہوگئی آپ کی فصل تیار ہوگئی اُس کو کاٹیں گے اس طرح سارے گاؤں والے مل کر سارے کام کرتے تھے۔ فصلیں کاٹنے سے جب فارغ ہوگئے تو پھر مکانوں کی تعمیر، مرمت اُس کی اشر شروع ہو جاتی تھی۔ یہ اشر کا تصور ہے۔ کوئی بہت ہی معذور یا بڑی عمر والا ہوتا تو اُس کا گاؤں والے ایسے ہی تعاون کے طور پر کام کر لیتے تھے۔ تو اس میں بڑی برکت تھی، بڑی آسانیاں تھیں۔ گاؤں کے لوگوں کے یہی کام آپس میں باہمی خوشی اور تفریح کا سامان ہوتے تھے۔ فصل کاٹتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، لطائف ظرائف، ہنگامے، ہوں ہاں، نعرے، ایک دوسرے پر فقرے کسنا، وہی گویا اُن کی ایک قسم کی باہمی تفریح کا سامان ہو جاتا تھا۔

اس تمہید کی روشنی میں اس بات پر غور کرنا ہے کہ ایک اپنی اکیلے اکیلے اصلاح کرنا ہے اور ایک اصلاحی نظام کا ایک فرد اور رکن بن کے اُس میں شامل ہو کر اپنی اصلاح کرنا ہے یہ جو دو احادیث کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے کیا۔ ایک تو مفتی صاحب (آفتاب عالم صاحب) نے فرمائی کہ **ید اللہ علی الجماعت** یعنی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور دوسرے مسلمان جس کام کو جماعت کی صورت میں کریں اللہ تعالیٰ اُس میں برکت اور آسانی کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی انسان کی اصلاح کا بھی شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اجتماعی طریقے سے ہو۔ لہٰذا با جماعت نماز مقرر کی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں با جماعت نماز پر پوری بحث لکھی ہے تو گویا یہ تو ایک لازمی رکن فرض درجے کا اصلاحی نظام ہے جس میں ہر ایک آدمی کیلئے لازمی کیا گیا ہے کہ وہ جماعت میں آئے۔ پھر جماعت کی

نماز میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کو واجب کہا جاتا ہے۔ بعضے باتیں ایسی ہے جن کو سنتِ مؤکدہ کہا جاتا ہے خیر واجب ،سنتِ مؤکدہ جو بھی ہو اس کی مزید تشریح ہے۔ سننِ شعائر ایسی سنتیں ہیں جو مسلمانوں اور اسلامی معاشرہ کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ بعضی ایسی سنتیں ہیں جسے دیکھ کر آپ پہچانتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا بعض ایسی علامتیں ہیں جس سے آپ پہچانتے ہیں کہ یہ مسمانوں کی بستی ہے۔ وہ کونسی علامتیں ہیں جس سے آپ پہچانیں گے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے ؟ وہ مسجد ہے اور اذان ہے۔ اسلامی لشکر گزر رہا ہو اور ایک بستی ایسی ہو جس میں سو آدمی رہ رہے ہوں، سارے کے سارے آدمیوں نے ساری رات تہجد میں گزاری ہو لیکن صبح اذان نہیں ہوئی اور جماعت نہیں ہوئی تو اس بستی کے ساتھ اسلامی لشکر کفار والا سلوک کرے۔ یعنی اُن کو اسلام کی دعوت دیں۔ بعد میں معلوم ہو کہ مسلمانوں کی بستی ہے تو خیر۔ لیکن پہلا جو اقدام کرے وہ کفار والا کرے کیونکہ اس میں سننِ شعائر نہیں ہیں، علامت والی سنت نہیں ہیں یعنی اذان اور جماعت کی نماز۔ دوسری بستی جس میں سو آدمی رہ رہے ہیں۔ ستانویں آدمیوں نے ساری رات بدکاری میں گزاری ۔لیکن تین آدمیوں میں سے صبح ایک آدمی نے اذان دی اور مسجد میں آئے دو پیچھے کھڑے ہوئے، ایک آگے کھڑا ہوا اور فجر کی نماز با جماعت پڑھی۔ اس بستی کے ساتھ اسلامی معاملہ کیا جائے گا اور یہ بستی بدرجہا بہتر ہے اُس بستی سے جس میں اذان اور جماعت کی نماز نہیں ہوئی اور ساری رات لوگ تہجد پڑھتے رہے۔ کیونکہ اس دوسری بستی کے پاس سننِ شعائر ہیں یعنی اذان اور جماعت۔ تو سننِ شعائر کی اہمیت اس پہلو سے فرائض سے زیادہ ہے۔ (مجلس میں شریک مفتی آفتاب عالم صاحب سے مزاحاً کہا کہ ان کو اس کے لئے حوالے نکالنے میں ایک مہینہ لگے گا۔) ایک دفعہ میں نے بیان میں کہہ دیا کہ جو آدمی اتنا تنگ دست ہو گیا کہ اُس کے گھر پر فاقہ ہے۔ اس کے ذمہ سوال کرنا واجب ہے اور اُس کو سوال کرنے پر واجب کا ثواب ملے گا۔ تو ایک مدرسہ کے مفتی صاحب آئے ہوئے تھے انہوں نے کہا ایسے کو جائز ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا بات وارد ہوئی تھی کہہ دی۔ مفتی صاحب نے ایک مہینہ تحقیق کی انہوں نے کہا واقعی کتاب میں یہ بات نکلی جو تم کہہ رہے تھے۔ خیر جی عرض یہ کر رہا تھا کہ سننِ شعائر کی پابندی ایک درجہ میں فرائض سے زیادہ ہے تو جماعت کی نماز میں جو بلایا گیا تو وہ اس لئے کہ یہ جو اصلاحی نظام ہے فرض کی شکل میں، یہ تو کم از کم ہر مسلمان کے پاس ہونا چاہیے جو آدمی جماعت کی نماز میں نہ آتا ہو اور ہو دیندار یہ بے دین سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے تجربہ ہے میرا۔ اس بات کو کسی کتابی حوالے سے تو میں نہیں کہتا لیکن یہ تجربہ میں ہے میرے کہ آدمی دیندار ہو نماز پڑھ رہا ہو لیکن جماعت کی نماز میں حاضر نہ ہوتا ہو یہ خود رائے ہوتا ہے۔ یہ بے دین سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ بے دین کو ایک یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ میں گناہ گار آدمی ہوں فاسق فاجر آدمی ہوں۔ جو آدمی جماعت کی نماز میں آنا

شروع ہوگیا اس کو آدھا دین مل گیا۔ آدھا دین اس کو مل گیا جو جماعت کی نماز میں آتا ہے اور مسجد کا ماحول باقی آدھے دین کا اس کیلئے بندوبست کرلے گا تو لہٰذا اصلاحی ترتیب بھی اجتماعی شکل میں انسان کیلئے اصلاح کی سہولتیں اور آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ ہمارے ساتھی ایک دفعہ پوچھ رہے تھے کہ عورتوں کیلئے بھی بیعت جائز ہے، میں نے کہا جائز نہیں برخوردار ضروری ہے اور جو آیتوں میں بیعت کا تذکرہ آیا ہے وہ عورتوں ہی کیلئے آیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (الممتحنہ:۱۲)

یعنی اے پیغمبرؐ جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئے بیعت ہونے کیلئے۔ مسلمان پہلے سے ہیں اب بیعت ہونے کیلئے آئی ہیں کس لئے بیعت ہونے کیلئے آئی ہیں؟ مکمل اصلاح اور تربیتِ باطن کیلئے جو بیعت کا پہلا درجہ بیعتِ اصلاح ہے۔ لَا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـٴًـا پہلے اس بات کو حاصل کرنے کیلئے آرہی ہیں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی، وَّ لَا یَسْرِقْنَ چوری نہیں کریں گی، وَ لَا یَزْنِیْنَ اور زِنا نہیں کریں گی، وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُن اولاد کو قتل نہیں کریں گی، وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں یعنی کسی پر بہتان نہ باندھیں گی وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْف اور معصیت نہیں کرے گی، نہیں توڑے گی اللہ تعالیٰ کے وہ احکامات جو کہ اللہ تعالیٰ نے معروف یعنی اچھی باتوں کی کرنے کے بارے میں فرمائے ہوئے ہیں۔ فَبَایِعْهُنَّ اے پیغمبرؐ آپ ان کو بیعت فرمادیں۔ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اور آپ ان کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور استغفار بھی فرمائیں۔ استغفار خود بھی آدمی کرسکتا ہے لیکن یہ آیتیں اور دوسری احادیث ساری کی ساری اس بات کو بتارہی ہیں کہ بیعت ہونے کے بعد جہاں پر بیعت ہوتا ہے تو ان کا اپنا استغفار اور اُن (جس کے ہاتھ پر بیعت کررہا ہو) کا استغفار جب شامل ہوجاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا زیادہ نزول ہوتا ہے۔ اس لئے ایک صحابیؓ نے اپنے اوپر خود ہی کوئی سزا نافذ فرمادی تو اُن کے بارے میں آیت نازل ہوئی کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○ (النساء:۶۴)

یعنی جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کرلیا یعنی ان سے گناہ ہوا۔ اس کے بعد اگر یہ آجاتے آپ کے پاس اور معافی مانگتے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اور معافی مانگتے آپؐ ان کیلئے تو یہ پاتے اللہ تبارک وتعالیٰ کو معاف کرنے والا

مہربان۔ گناہ کا عام فقہی اصول یہ ہے کہ آپ گناہ کا تذکرہ کسی کے آگے نہیں کریں گے۔ گناہ کر کے گناہ کا تذکرہ کسی کے آگے کرنا کہ میں نے ایسا گناہ کیا ہے یہ دُگنا گناہ ہے لیکن جہاں آدمی کا بیعت کا تعلق ہے، اصلاح کا تعلق ہے وہاں اصلاح کیلئے اپنی بات کو ظاہر کرنا اس کو شریعت نے منع نہیں کیا اور مشائخ کیلئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ جب مرید گناہوں کا تذکرہ کرے اس کے باوجود اس کو گھٹیا نہ سمجھیں بلکہ شیخ کو اپنی جان اُس سے گھٹیا نظر آئے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو شیخ اپنی خیر منائے، وہ کامل نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مشائخ کے سینے سفینے ہوتے ہیں اور دفینے ہوتے ہیں کہ اُس میں سب کے خراب حالات دفن ہوتے ہیں اور کسی کو بتاتے نہیں ہیں۔ مفتی صاحب کہیں گے ان لا یشرکن میں، شرک نہیں کرے گی، تو وہ تو موٹی موٹی بات ہے کہ شرک فی الذات، شرک فی الصفات، فی العبادت، اللہ دو نہیں ہے ایک ہے، رکوع سجدہ، منت یہ کسی اور کی نہیں کرنی اللہ کی کرنی ہے۔ بس یہ تو معلومات ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ تو ایک موٹا موٹا ظاہری شرک ہے اور ایک بڑی باریکیاں ہیں جو قلب میں غیر اللہ کی صورت میں ہیں، وہ قلب سے دُھلتی ہیں تربیت کرنے سے، صحبت سے اور ذکر اذکار کی روشنی اور مجاہدہ سے۔ صحبت سے آدمی کے باطن کی روشنی زیادہ ہوتی ہے تو اس آدمی کو وہ شرک کی باتیں نظر آتی ہیں جہاں پہلے ان کا دھیان تک نہیں جاتا تھا۔ صحبت کی روشنی اور ذکر کی روشنی کے بعد آدمی کو آگاہی ہوتی جاتی ہے کہ یہ یہ باتیں شرک کی ہیں۔ معرفت پانی پر چلنے کو نہیں کہتے، ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا یہ معرفت نہیں ہے، معرفت کہتے ہے تعلق مع اللہ اور اللہ کی رضا کو سمجھنا۔ گہرے سے گہرا سمجھنا۔ ایک بزرگ کے بارے میں آیا ہے، کہتے ہے میری جب پیشی ہوئی وفات کے بعد تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا لے کر آئے ہو۔ میں نے کہا میرا تو کوئی عمل بھی پیش کرنے کا نہیں ہے ایک بات کو پیش کر دیتے ہیں کہ یا اللہ تبارک وتعالیٰ ہم نے آپ کی توحید پر زندگی گزاری۔ کہتے ہیں مجھ سے فرمایا گیا کہ ایک دن آپ کا پیٹ خراب ہوا تھا۔ تو آپ وہ لیلۃ اللبن (دودھ والی رات) یاد کریں جب پیٹ خراب ہوا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ دودھ پینے کیوجہ سے پیٹ خراب ہوا ہے۔ دودھ سے خراب ہونے کا کہا تھا تو آپ کی توحید کہاں رہی۔ حالانکہ عام طور پر ہم عام لوگوں کیلئے اسباب کے ساتھ کسی بات کو متعلق کر کے بیان کرنا جائز ہے۔ عام فقہی مسئلہ ہے کہ میں نے کہا میری بھینس نے دودھ دیا۔ دیا تو اللہ نے ہی ہے تو یہ شرک کی بات نہیں ہے یا میں نے چنے کھائے تھے، مجھے پیٹ میں درد ہوا۔ یا فلاں جگہ سے کوئی چیز کھائی تھی تو اس سے درد شروع ہو گیا۔ لیکن اللہ کے خاص بندوں کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ یوں چاہتے ہیں کہ اُن کی نگاہ اسباب پر نہ ہوا کرے، مسبب پر ہوا کرے کیونکہ اُن سے اللہ تبارک وتعالیٰ توحید کا بہت اُونچا مقام چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں پھر یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ توحید بھی ناقص نکل گئی۔ اب کیا کریں جی اب اللہ تعالیٰ کے فضل کا ہی سہارا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ

نے فضل سے ہی مغفرت فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت ہی قدردان ہے۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ کہ ایک مثقال کے برابر کوئی نیکی کی وہ لکھی جاتی ہے۔ ایک مثقال کے برابر کوئی برائی کرے تو لکھی جاتی ہے۔ تو مثقال کے برابر برائی لکھی جانے کے بارے میں حدیث شریف میں تفصیل آئی کہ دائیں بازو والا فرشتہ امیر ہے اور بائیں بازوں والا مامور ہے۔ نیکی لکھنے والا تو امیر ہے جو نیکی ہوتی ہے اس کو لکھ لیتا ہے۔ بائیں طرف والا جو برائی لکھتا ہے اجازت طلب کرتا ہے کہ لکھوں تو دائیں جانب والا جو امیر ہے کہتا ہے تجھے کیا پتہ ہے کہ اللہ کا بندہ ہے ہوسکتا ہے توبہ تائب ہو جائے۔ تو لہٰذا صبح کی آئی ہوئی فرشتوں کی جماعت اُس کو عصر کے وقت رخصت ہونا ہوتا ہے وہ عصر تک منتظر رہتا ہے۔ صغیرہ گناہ کے بارے میں وضو کیا نماز پڑھی وہ ڈھل گیا وہ صاف ہو گیا۔ کبیرہ گناہ کے بارے باقاعدہ توبہ تائب ہونا ہوتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی اور اب عصر کو فرشتوں کی جماعت جا رہی ہے تو اب انہوں نے اپنا ریکارڈ مکمل کرنا ہے۔ پھر وہ اعمال نامہ میں لکھ لیتے ہیں۔ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے نیکی تو فوراً لکھی گئی۔ نیکی کی نیت لکھی گئی۔ نیت پر ایک نیکی لکھی گئی۔ کرنے پر دس نیکی لکھی گئی۔ برائی کرنے کے بعد بھی نہ لکھی گئی بلکہ صبح سے عصر تک فرشتوں نے انتظار کیا۔ عصر کے بعد لکھی گئی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بعد بھی محو ہونے کے اور توبہ قبول کرنے کی گنجائش رکھی ہے کہ جب تک انسان کی روح حلق میں آکر اٹک نہ جائے اس وقت تک توبہ کو قبول کیا جاتا ہے۔ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوتا ہے جب اس کی روح باقی بدن سے نکل کر حلق میں اٹک گئی ورنہ اس وقت تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے گنجائش چھوڑی ہوئی ہے۔ تو ایسے ہی لا یسرقن ہے، چوری نہیں کریں گی۔ اب چوری کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کا تالا توڑا اور اندر سے کوئی چیز نکالی بلکہ چوری میں ایسی باریک سے باریک تر باتیں ہیں۔ اکابر دیوبند کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ اپنا کھانا مدرسے کو لاتے تھے اور حمام جہاں پانی گرم ہوتا تھا اس کی آگ کے قریب چھوڑ دیتے تھے کہ یہ گرم رہے اور کھانے کے وقت آکر کھا لیتے تھے۔ آگ کے اوپر نہیں رکھتے تھے۔ پاس اُس ماحول میں چھوڑتے تھے۔ جب مہینہ گزرا تو انہوں نے انتظام والے لوگوں کو مہینہ میں اس گرم کی سہولت کے پیسے ادا کئے۔ حالانکہ آگ کے اوپر نہیں رکھی تھی کہ خدانخواستہ اتنا جو میں نے استفادہ کیا ہے اس کی ادائیگی نہ کروں تو اتنی چوری نہ ہو جائے۔ یہاں تک باریکیاں ہیں سبحان اللہ۔ یہ ہمارے اکابر کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ سبق پڑھا رہے ہیں آدمی آ گیا۔ اشد ضرورت تھی اُس سے بات کی اور بات کرتے ہوئے پانچ منٹ لگے ہیں، اُس کو اپنے پاس لکھ لیا اور سارے مہینے کو یہ حساب جمع کرتے تھے۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے، جتنے بھی ہوئے، پھر مہتمم صاحب کو لکھتے تھے کہ اس مہینے ہماری تنخواہ سے اتنے گھنٹے کی مزدوری

کاٹ لیں کیونکہ اتنی دیر ہم کام نہ کر سکے۔صرف تالا توڑ کر نکالنا چوری نہیں ہے،تفصیلات ہیں اس کی۔ و لا یزنین اور بدکاری نہیں کریں گی، آنکھیں بدکاری کرتی ہیں،کان بدکاری کرتے ہیں،زبان بدکاری کرتی ہے،اور ایک آخری مرحلہ ہے عملی بدکاری کرنا۔ورنہ اس سے پہلے تو آنکھ زنا کر رہی ہوتی ہے،کان زنا کر رہا ہوتا ہے۔زبان زنا کر رہی ہوتی ہے۔اور قلب ہے۔قلب کیسے زنا کر رہا ہوتا ہے؟ قلب ان تصورات اور خیالات کو لے کر چل رہا ہوتا ہے،پانچ منٹ،دس منٹ،آدھا گھنٹہ،قلب نے ان خیالات کو اُٹھایا ہوا ہوتا ہے۔اتنی دیر تو بدکاری کے مراقبہ میں رہا ہے جو قلب سے کر رہا ہے۔اگر چہ سنگسار تو انہی پر نافذ ہوتا ہے جن پر چار گواہ گواہی دے دیں،مگر روحانی لحاظ سے یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ تو وہ چیز قلب میں چلا رہا ہے جس سے قلب برباد ہو جاتا ہے،وہ جگہ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا عرش ہے۔میں کسی جگہ نہیں سماتا،اگر سماتا ہوں تو بندۂ مومن کے قلب میں سماتا ہوں،اس عظمت والی جگہ پر جو کہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے زیادہ عظمت والی ہے۔قلبِ مومن عرشِ الٰہی سے زیادہ برتر اور عظمت والا ہے کیونکہ عرشِ معلیٰ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں بیٹھ رہا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے جلوس کا یعنی بیٹھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہو۔اور قلبِ مومن جو ہے اس کو دھیانِ الٰہی کا اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ اُس کے دھیان کی لہریں آتی ہیں اور گزرتی ہیں اس پر۔لہٰذا اس کی بہت عظمت ہے۔

تو اصلاح کے مدارج ہیں،و لا یقتلنا ۔۔کہ گلہ گھونٹ کر مار دینا۔جس طرح عربوں میں رواج تھا،بیٹی کو زندہ دفن کر دیتے تھے تو ایسی بات نہیں ہے میرے بھائی۔اس میں بڑی ذمہ داریاں ہیں اولاد کی،کہ بیمار ہوا خُدا نخواستہ اور بیمار ہونے کے بعد آپ کے پاس وسائل تھے علاج کے،آپ نے نہ کیا اور اُن کو نقصان پہنچا تو یہ یقتلنا کے ماتحت آ رہا ہے۔حضرت تھانویؒ سے کوئی آدمی بیعت ہوئے،شائد کوئی اہلِ علم تھے۔بیعت ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ معمولات کی پابندی کرو،تہجد کی پابندی کرو،ذکر کی پابندی کرو،مختلف نوافل کی پابندی کرو۔فرائض کی پابندی تو ہر کسی پر لازم ہی ہے۔تصوف میں تو جو ترقی ہوتی ہے وہ نوافل کی پابندی سے ہوتی ہے۔اس لیے اہلِ تصوف دو قسم کے ہوئے ہیں،ایک محققین اور ایک غیر محققین۔غیر محققین نے تو سُنا ہوا ہے کہ تصوف میں ترقی نوافل سے ہوتی ہے لہٰذا وہ نوافل پر زور دیتے ہیں،فرائض سے فارغ ہو جاتے ہیں،فرائض کا اہتمام نہیں کرتے۔محققین کو اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ ترقی نوافل سے ہوتی ہے یقیناً،لیکن نوافل سے ترقی فرائض کے بعد ہوتی ہے۔جب آپ اپنے فرائض مکمل کر لیں،اُس کے بعد نوافل میں کوشش کریں۔اصل قرب،قرب بالفرائض ہے۔اس کے بعد نوافل میں کوشش ہے۔پھر قربِ خاص نصیب ہوتا ہے۔تو انہوں نے معمولات کی پابندی کی۔اور پابندی کرتے رہے۔بیٹا بیمار ہو گیا

۔اب بیٹا بیمار ہوکر ساری رات روئے اور جب روئے تو اِن کو سونا نصیب نہ ہو، اور جب پہلی رات سوئے نہیں تو اُٹھ نہ سکے تہجد کے لیے، تہجد رہ گیا۔اب ان کا تو خیال تھا کہ آدمی بزرگ بنتا ہے تہجد پڑھ کے۔تو وہ بیٹے کی ڈانٹ ڈپٹ کرتے، اس پر غصے کرتے، شور مچاتے اور کچھ احساس نہیں ہوا کہ بیٹا ایسا بیمار تھا کہ ایک رات اس کی وفات ہوگئی۔تو انہوں نے خط لکھا کہ حضرت بیٹے کی وفات ہوگئی ہے اور میں اپنی کوتاہی سے یہ بات سمجھ نہ پایا کہ وہ شدید بیمار ہے، اُلٹا میں اس پر غصے کرتا رہا کہ میرے معمولات پر فرق ڈال رہا ہے، میری نیند کو خراب کر رہا ہے۔بہر حال اس کی وفات ہوگئی۔میں بہت دُکھیا ہوں اور میرا دل دُکھ گیا ہے۔مجھے اس کی یاد آتی ہے اور اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے تو اس سے میں پریشان ہوں۔حضرت نے پہلے ان کی تسلی اور ان کے غم کا علاج کرتے ہوئے بعد میں لکھا کہ وہ تو وفات پا گیا لیکن تجھے انسان بنا گیا۔تجھے اس بات کا احساس دلایا کہ اب بیماری میں تہجد سے زیادہ ضروری اس کی دیکھ بال تھی، اس کا علاج معالجہ تھا۔اس میں اگر وقت ملتا تو تہجد بھی پڑھ لینا چاہیے تھا اور اگر اس مصروفیت سے تہجد رہ گیا تو اس پر افسوس اور قلق ہونا چاہیے تھا۔بس یہ شریعت کی ترتیب تھی۔قربِ الٰہی تو ایسے حاصل ہوتا ہے۔قربِ الٰہی تو امرِ حال کے سمجھنے سے ہوتا ہے کہ اس وقت میں نے کیا کرنا ہے۔آدمی ماشاء اللہ کھڑا ہے باجماعت نماز میں اور آگے سے چھوٹا بچہ سڑک پر آ گیا اُدھر سے گاڑی آ گئی، اس کے کچلے جانے کا خطرہ ہے، اب مجھے ہی پتہ چلا، اور ماشاء اللہ بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھ رہا ہوں، اب یہ نماز تعلقِ الٰہی نہیں دلا رہی ہے اب امرِ الٰہی یہ ہے کہ نماز توڑ دوں اور دوڑوں آگے جا کر اس بچے کو اُٹھاؤں، اس کو محفوظ کروں، جب محفوظ ہو جائے تب دوبارہ نماز شروع کروں۔ڈاکٹروں کے لیے ہے کہ اگر یہ مریض سے ہٹتے ہیں اور ٹلتے ہیں تو مریض کی جان جانے کا خطرہ ہے، دائی کے لیے ہے کہ اگر زچہ یعنی جننے والی عورت اور بچہ کی جان اس کے تجربے سے خطرے میں ہے تو یہ نماز کو موخر کرے گی۔یہاں تک موخر کرے گی کہ آخری وقت میں پڑھے گی۔اور اگر اس کو اندازہ ہو کہ اب اگر میں ادھر سے ہٹتی ہوں تو ان میں سے کسی کی جان جاتی ہے تو یہ نماز کو قضا کرے گی اور پھر پڑھے گی اس کو قضا کا گناہ نہیں ہے۔ہم نے ایک آپریشن شروع کیا۔یہ واقعہ ۱۹۷۳ء کا ہے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں۔کنسلٹنٹ سرجن آیا اس نے کہا کہ ایمرجنسی والے مریض تیار ہیں میں نے کہا تیار ہیں، ایک گولی لگی ہوئی عورت ہے، پہلے اس کا آپریشن کرتے ہیں۔میں نے دیکھا آدھا گھنٹہ مغرب میں باقی ہے اس میں فارغ ہو جائیں گے۔مغرب کی نماز پڑھ کر باقی کیس کریں گے۔اس کو جب کھولا تو کنسلٹنٹ نے کہا ڈاکٹر صاحب صرف گولی نہیں لگی ہوئی ہے، عورت کا تو کوئی پانچ چھ مہینے کا حمل ہے اور گولی نے اس کے پیٹ کی انتڑیوں کو بھی پار کیا ہوا ہے اور بچہ دانی کو بھی سوراخ کیا ہوا ہے اور مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔چار آدمی ہم کام کر رہے

تھے۔اب مغرب کی اذان ہوگئی، مغرب کا وقت گزرتا گیا، پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ، پینتالیس منٹ، گھنٹہ۔اب اس کے بعد قضا ہونے کے حالات آرہے ہیں۔خیر میں نے غور کیا تو مجھے بات سمجھ میں آئی کہ ہم چار آدمی ہیں۔اس میں سے ایک ایک کر کے نماز پڑھنی پڑھے گی باقی تین کام کرتے رہیں گے یا دو کام کر سکتے ہیں تو دو کام کرتے رہیں گے۔تو میں نے کہا جی میں نماز کو جارہا ہوں۔تو اس نے کہا کہ انسان کی جان کی قیمت ہی تمھارے نزدیک نہیں ہے اور نماز کو جارہے ہو۔کیا یہ کام نہیں ہورہا ہے۔خیر میں نے خاموشی اختیار کی، دو منٹ میں نے غور کیا، تو مجھے یہ اندازہ ہوا کہ اب میرے ذمے فرائض میں سے یہ فریضہ ہے کہ اب میں اس جاب (نوکری) کو چھوڑ دوں۔ کیونکہ نماز قضا ہونے کے حالات ہورہے ہیں۔میں نے چاقو وہاں رکھ دیا اور پیچھے کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔وہ آدمی تھا دیندار گھرانے کا، دین کے بارے میں اُس کو فہم تھا۔اس کو اندازہ ہوگیا کہ اس آدمی نے فیصلہ کُن بات یعنی فیصلہ کُن قدم اُٹھالیا۔اُس نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ جائیں، آپ نماز پڑھ کر آجائیں۔نماز پڑھ کے میں واپس آگیا تو اس نے کہا میں نے اتنا کام کرلیا ہے اب باقی آپ کرلیں۔میں نے کہا ٹھیک ہے۔خیر اللہ تعالیٰ نے اس کی جان بچائی۔تو یہ عمل کی ترتیب ہے۔تعلق مع اللہ حال کے امر پر ہے، امر پر نہیں ہے۔کہ اس وقت کیا کرنا ہے۔کیونکہ اُس وقت کے لیے اللہ تعالی کا فریضہ جو متوجہ ہے اس کو پورا کرنا ہے۔اب تو جان بچانے کا فریضہ متوجہ ہے نماز والا فریضہ موخر ہوجائے گا۔غزوۂ بدر سترہ (۱۷) رمضان المبارک کو تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرما دیا کہ روزہ توڑ دیں۔روزہ توڑ دیا صحابہ کرام نے۔کچھ ایسے باہمت اور قوی لوگ تھے کہ انہوں نے کہا کہ ہم روزہ نہیں توڑتے کیونکہ ہمیں روزہ کوئی تکلیف نہیں دیتا، ہم روزے کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔روزہ رکھ کر وہ لڑے۔جنگ کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج روزہ توڑنے والے روزہ رکھنے والوں سے آگے نکل گئے۔کیونکہ اس وقت حال کا امر روزہ توڑنے کا تھا۔اس وقت جو امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا وہ روزہ توڑنے کا تھا۔تو دین اور شعائرِ دین تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے نمائندے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کو پورا کرنا ہے۔لہٰذا اُس وقت دین یہ تھا کہ تر وتازہ ہوں اور قوت سے لڑیں۔خندق کی جنگ میں چار نمازیں قضا ہوئیں ہیں۔خندق کی جنگ کو قرآنِ پاک کی آیتیں کہتی ہے کہ اتنا سخت ٹینشن، اتنے سخت تکلیف کے حالات تھے، ب لغتہ القلوب الحناجر۔کلیجے منہ کو آگئے، زاغت الابصار ۔۔آنکھیں پتھرا گئیں۔وتظنون باللہ ظنونا ۔۔۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں عجیب وغریب وہم وگمان آنے لگے۔ماہرینِ نفسیات اور ماہرینِ امراضِ

دماغ جو ٹینشن کے تین درجے بیان کرتے ہیں وہ یہاں بیان ہوئے ہیں۔ جب ٹینشن تیسرے درجے کو پہنچتا ہے تو آدمی کو وسوسے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرام جیسے اولوالعزم، اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کی مدد آرہی ہے کہ نہیں آرہی ہے، کیا ہوگا، کیا نہیں ہوگا۔ اس بات کو میں نے بیان کیا تو ڈاکٹر سیار صاحب کہتے ہیں کہ یہ بات منافقین کفار کے بارے میں تھی۔ میں نے کہا ہمیں تو اپنی کسی بات پر بھی زعم نہیں ہوتا۔ ان پڑھ آدمی ہوں، کتابوں کو دیکھو اگر ٹھیک ہے تو صحیح۔ نہیں ہے تو غلطی ہماری ہوگی۔ میں نے کہا ہمارے مطالعے میں، ہمارے ذہن میں یہی بات رہی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا مولانا شمس الحق افغانیؒ نے لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا مولانا افغانی صاحبؒ تو بہت بلند پایہ شخصیت ہیں، اگر انہوں نے لکھا ہوا ہے تو میں کیا کہوں۔ خیر میں نے کہا کتاب لائیں۔ کتاب لائی گئی۔ کتاب کو میں نے دیکھا تو اُن کے کسی شاگرد عبدالغنی نے اُن کے درسوں اور بیانوں کو مرتب کیا ہے۔ میں نے کہا معارف القرآن لاؤ۔ معارف القرآن لائی گئی، معارف القرآن میں ایسے ہی لکھا ہوا تھا جیسے میں نے عرض کیا تھا۔ تو میں نے کہا ڈاکٹر صاحب وہ کتاب شمس الحق افغانی صاحبؒ کی نہیں ہے وہ عبدالغنی کی ہے۔ بندہ نے اس پر تبصرہ لکھا ہے غزالی رسالہ میں کہ عبدالغنی صاحب نے ماشاءاللہ کوشش کی ہے اور کتاب مفید ضرور ہے لیکن عبدالغنی صاحب اس سطح پر نہ لا سکے کتاب کو جو حضرت افغانی صاحبؒ کی سطح ہے۔ حال کے امر کا فہم عظیم معرفت ہے۔ آدمی شیخ التفسیر ہو سکتا ہے لیکن عارف نہ ہوں تو حال کے امر کی پرکھ اس کو نہیں ہو سکتی۔ آدمی شیخ الحدیث ہو سکتا ہے لیکن حال کے امر کی پرکھ یہ تو معرفت ہے ضروری نہیں کہ اس کو ہو۔ آدمی مفتی ہو سکتا ہے۔ لیکن حال کے امر کی پرکھ یہ تو معرفت ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہو۔ شیخ شبلیؒ بیٹھے ہوئے تھے مسجد میں، ان کے پاس کسی فقہی عالم کا درس تھا۔ تو اس کے جو شاگرد تھے وہ ہنس رہے تھے کہ اس کو دیکھو ادھر ذکر میں لگا ہوا ہے صوفی آدمی ہے کیا سمجھتا ہوگا۔ استاد صاحب نے کہا بے قدری نہ کیا کرو۔ قدر کیا کرو۔ شاگرد تو ذرا شوخ ہوتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا آؤ اس سے فلاں مسئلہ پوچھتے ہیں، تو وہ آئے انہوں نے مسئلہ ان سے پوچھا۔ وہ مسئلہ کوئی عملی تھا جو آدمی کے عمل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ایک تو نظری مسئلہ ہوتا ہے مثلاً میرے لیے لازمی نہیں ہے کہ طلاق کے مسئلے کی پیچیدگیاں مجھے آتی ہوں۔ وہ تو مفتی علماء کو آنی چاہیں کیونکہ لوگ ان کے پاس جا کر پوچھیں گے۔ اگر آپ مسواک کے بارے میں پوچھیں تو وہ ایک عملی چیز ہے۔ مسواک کے بارے میں اتنی باریکیاں اپنے مشائخ سے، استادوں سے اپنی زندگی میں کوشش کر کے سیکھی ہوئی ہیں کہ الحمدللہ۔ تو شبلی صاحبؒ نے جو بحث کی تو

طلبہ کو اندازہ ہوا کہ ان کی کتابوں کے دفتر کے دفتر اور دنوں کے دن دس پندرہ منٹ، آدھے گھنٹے میں کھنگال کے رکھ دیئے، طلبہ نے توبہ کی کہ پھر نہیں پوچھیں گے۔ تو یہ معرفت ہے۔

معرفت کے لیے تین باتیں ہیں۔ ترک گناہ، کہ گناہ اور معصیت کو جب آدمی ترک کرتا ہے، اور دنیا کی بے رغبتی، جب دنیا کے ساتھ اس کا چمٹنا، دنیا کا مقصد ہونا، دنیا کا نصب العین ہونا، اس کے دل سے نکلتا ہے، اور تیسرے درجے میں جو اس کے پاس علم ہے اس پر عمل۔ تو اس کے بارے میں فرمایا اس کو اللہ تعالیٰ وہ علم دیتا ہے جو یہ نہیں جانتا۔ علمِ لُدنی اس کو دیا جاتا ہے، اس کو غیبی فہم اور پرکھ دی جاتی ہے۔ چلیں ایک دو باتیں زہد کی بھی کر لیتے ہیں۔ زہد ترکِ مال نہیں ہے، حضرت عثمانؓ کے پاس سوال کرنے کے لیے آدمی آیا۔ جب آپؓ گھر آئے تو نوکر پر غصہ کیا کہ چراغ میں موٹی باتی ڈالی ہوئی ہے اس سے تیل زیادہ جلے گا۔ اس نے کہا یا اللہ ایسے آدمی سے ٹکرے جو چراغ کی باتی اور تیل کے جلنے پر جھگڑے کر رہا ہے تو مجھے کیا دے گا۔ نہیں وہ تو اللہ کا مال ہے جس کا میں محافظ ہوں وہ مال کی محبت نہیں ہے۔ امرِ الٰہی کی ہے۔ مال کے ساتھ جو تعلق ہے، اللہ کے لیے ہے، مال کی محبت نہیں۔ ایک بات یاد آ گئی ہمارے والد صاحبؒ جن بزرگوں سے بیعت تھے وہ قادریہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت کا عجیب واقعہ بتایا کہ علاقہ میں ایک آدمی گم ہو گیا مفقود الخبر یعنی جو آدمی گم ہو گیا ہو اور اس کی کوئی خبر نہ آ رہی ہو۔ تو اس کے بارے میں فتویٰ ہے کہ چار سال کے بعد اس کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ علاقے کے علماء سے لوگوں نے استفتاء کر کے فتویٰ لکھ کر سب سے دستخط کرا لیے کہ اس عورت کا دوسرا نکاح جائز ہے۔ ہمارے والد صاحبؒ نے کہا کہ ہمارے حضرت صاحبؒ تشریف لائے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ علماء نے کہا کہ فلانے حضرت صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں ان کا بھی دستخط کرا لیں کیونکہ لوگوں میں ان کی بڑی تائید ہے تو بات اور پکی ہو جائے گی۔ ان کے پاس آدمی آ گئے کہ یہ فتویٰ ہے علماء نے لکھا ہوا ہے اس پر دستخط کرنا ہے۔ انہوں نے فتویٰ کی طرف دیکھا، کہا اس پر دستخط نہیں ہو سکتا۔ آپ جائیں۔ انہوں نے کہا فتویٰ ٹھیک ہے لیکن اس پر دستخط نہیں ہو سکتا۔ آپ جائیں۔ یہ چلے گئے۔ اس دستخط نہ کرنے کی وجہ سے وہ بات ایک دو دن موخر ہو گئی۔ اس عورت کا خاوند آ موجود ہوا۔ اس پر لوگوں کو پتہ چلا کہ اگر دستخط ہو جاتے تو عورت کا ہو جاتا نکاح اور دو دن بعد خاوند نے آنا تھا۔ سبحان اللہ تو یہ ہے معرفت کے بعد بصیرت ہے۔ بصیرت ایک باطنی نور ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تعلق والے بندوں کو نصیب فرماتا ہے۔

ایک تبصرہ

یہ تبصرہ جامعہ ابوہریرہؓ، نوشہرہ کے ماہنامہ مجلّے ''القاسم'' میں شائع ہوا۔ قارئین کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان ماہنامہ ''غزالی'' پشاور سے نکلتا ہے جو مولانا سید سعیداللہ صاحب کی زیرِ سرپرستی حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب نکالتے ہیں۔

جلد چہارم کا شمارہ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ پیشِ نظر ہے، جس کے اکثر مضامین نظر سے گزرے ہیں جو امت کے لئے بے حد نافع ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر فدا محمد صاحب کے خطابات، مضامین ایک تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، جس میں از اول تا آخر مضامینِ تصوف کو روح کی گہرائیوں میں اُتارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان مضامین کو پڑھنے والا روح میں تروتازگی، قلب میں فرحت ورقت اور دل میں گداز کی کیفیت محسوس نہ کرے۔ اس لئے نہ صرف عالم صوفی کے لئے یا صوفی عالم کے لئے ضروری ہے بلکہ بیعت ہونے والے عوام کے لئے بھی خاصے کی چیز ہے، جس میں نفع ہی نفع ہے۔ صفحات اگرچہ اس کے ۳۲ ہیں مگر قیمت صرف ۱۵ روپے ماہانہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اعلان

قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ادارے کے ساتھ اور ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ کے ساتھ خط و کتابت اس پتے پر کریں۔ پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔ اور ان قارئین سے جن کو رسالہ بذریعہ ڈاک ملتا ہے، گزارش ہے کہ وہ اپنے ٹیلی فون نمبر ہمیں ارسال کردیں۔ اس کے علاوہ رسالے کے بارے میں اپنے تاثرات ضرور بھیجیں۔ ان کو رسالہ میں شائع کیا جائے گا۔

(ادارہ)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ ۲ جون ۲۰۰۷ بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ہوگا۔

مقام انسانیت اور حقیقتِ تواضع

(جناب شیر حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ)

ادارہ کے لیے یہ بڑا اعزاز ہے کہ حاجی شیر حسن صاحب ہر مہینے کے رسالے کو حرف بہ حرف پڑھتے ہیں اور غلطیوں کی اصلاح پر متوجہ ہیں۔ ادارہ کے مشورہ میں یہ بات طے پائی کہ حاجی صاحب کا نام مجلس مشاورت میں شامل کیا جائے۔ (ادارہ)

غزالی کے ماہِ صفر ۱۴۲۸ھ (مارچ ۲۰۰۷) کے شمارے میں عزیزم حسن نواز صاحب کا ایک خط پڑھا۔ عزیزی حسن نواز صاحب نے پاکستان مسلم لیگ کی صد سالہ تقریبات کوئز میں اول پوزیشن حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید دینی اور دنیائی ترقیات نصیب فرمائیں، آمین۔ جناب حسن نواز صاحب کے اسی خط کے آخری حصہ میں ایک جملہ ''حضرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس کتے کو تاریخ کا حصہ بنایا'' پڑھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوا۔ عزیزی حسن نواز نے یہ جملہ تواضع کی حقیقت نہ سمجھنے کی بناء پر لکھا ہے۔ غزالی کی مجلس ادارت کو چاہیے تھا کہ اس جملہ کو حذف کرتے اور اس جملہ کو ہرگز ہرگز شائع نہ کرتے۔ میرے نزدیک یہ انسانیت کی تذلیل ہے اور یہ مناسب ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب بغرض اصلاح تنبیہ فرماتے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور اپنی خلافت کا تاج انسان کے سر پر رکھا ہے۔ نہ آسمان مجھے سما سکتا ہے نہ زمین، اگر میرے لئے گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں۔ آسمان میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات کی متحمل نہیں۔ بندۂ مومن کا دل ہے جس نے اس بوجھ کو اُٹھایا۔ عرش پیدا کیا، مقربین کے سپرد کیا، بہشت پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا۔ دوزخ کو پیدا کیا، مالک کو اس کا دربان بنایا۔ لیکن جب مومن کا دل پیدا کیا تو فرمایا، دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

انسان کو فرشتوں کا مسجود اور کائنات کا محور بنایا، یہ بہت بڑی چیز ہے۔ انسان اپنے وجودِ خاکی میں کیسا ہی مکدر ہو معنوی اعتبار سے ایسا منور اور مقدس ہے کہ ملکوتی راز اور بشری اوہام اس کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر ہیں۔ خالقِ کائنات کے اس مجموعۂ آب و خاک کے ساتھ خاص معاملات اور خاص عنایات ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب ملک الموت اس امت میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہے تو ربّ العزت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ پہلے میرا سلام پہنچانا، پھر روح قبض کرنا۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے واسطہ مومنوں کو سلام کہے گا۔ (سلام قولا من رب الرحیم)۔ انسان کی شرافت، اس کے

منصبِ خلافت کا راز یہ ہے کہ سرِ الٰہی کا حامل اور نفختِ فیہ من روحی (پھونکی اس کے اندر روح اپنے تعلق والی) کے شرف سے مشرف ہے۔ رسالت وصحفِ آسمانی کا اعزاز اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کی خصوصیات میں سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے کل مخلوقات میں سے کوئی اور انسان سے زیادہ عالی مرتبت نہیں پیدا کیا۔ اور انسانوں کے علاوہ کسی گروہ یا مخلوق کے متعلق یہ ارشاد نہیں فرمایا، ''و نفخت فیہ من روحی'' اور کسی گروہ میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث نہیں فرمایا اور نہ کسی مخلوق کی طرف آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اور نہ کسی دوسری مخلوق کو سلام کہلایا اور نہ کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت عطا فرمائی۔ انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی۔ اور اس ظلوم وجہول انسان نے اسکو اپنے ناتوان کندھوں پر اُٹھالیا۔ اور اس کی بے مائگی اور بینوائی کام آئی۔ عرش و کرسی، لوح وقلم آسمان اور زمین سب انسان ہی کے طفیل ہے۔ انسان حاصلِ وجود اور اس پورے نظام خلق اور تکوین کا مقصود ہے۔ اس کو محبوبیت اور اختصاص حاصل ہے۔ مومنین کے متعلق خود حق تعالیٰ سبحانہٗ فرماتے ہیں، (یحبھم و یحبونہ)، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ مومنین اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ہزاروں سال کی تسبیح وتہلیل کے باوجود اس خاک کے پتلے آدم کو سرفراز کیا۔ مخلوقات تو بہت تھیں، موجودات اور مصنوعات بھی بہت تھیں، لیکن محبوبیت اور خلافت کی خلعتِ فاخرہ اس ضعیف انسان (خُلق الانسان ضعیفا) کے جسم پر راست آئی۔ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں اور اس سے گناہوں کا صدور مستبعد (مشکل) نہیں لیکن خالق کی نظرِ عنایت سب کے تلافی کے لیے کافی ہے اور یہ نظرِ عنایت وہ پاسنگ ہے کہ ترازو کے جس پلڑے میں رکھ دیا جائے، وہ پلڑا جھک جائے گا۔ اگر محبوب سے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

اس خاک وآب کو نہیں دیکھنا چاہیے، اس دولت واقبال کو دیکھو، جن کے متعلق ''یحبھم و یحبونہ'' کا ارشاد ہے، ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور) اللہ دوست ہے مومنین کا نکالتا ہے انہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف۔ اور ایک دوسری جگہ پر ارشاد ہے، ''و سقاھم ربھم شرابا طھورا۔'' جنت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو خود شرابِ طہور پلائے گا۔ مقرب فرشتوں کو بھی یہ عزت و مقام حاصل نہیں جو انسان کو حاصل ہے۔ ملائکہ مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں۔ بڑی تسبیح وتقدیس کرنے والے اور بڑے روحانی ہیں، لیکن آب و گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور خود ارحم الراحمین کی دستگیری، چارہ سازی کی بناء پر وہ

بڑے سے بڑے عاصی اور آلودہ عاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ رجوع اور انابت سے کام لے۔ اور صدق دل سے توبہ کر کے پاک وصاف ہو جائے۔ بڑے بڑے گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ خطاب فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! **يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ الرَّحْمَةِ اللّٰه.** (الزمر:۵۳)

ترجمہ: اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے (تفسیرِ عثمانی)

توبہ سے انسان پلیدی اور ناپاکی کے حالات سے پاکی کے حالت میں تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا، مسجد ہو گیا، سرکش تھا، انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا، اندھیری رات تھا، روزِ روشن ہو گیا۔ گناہ کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے کہیں وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کرامت ومغفرت کی موج اٹھتی ہے تو تمام لغزشیں اور معاصی معدوم وفنا ہو جاتے ہیں۔ اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں۔ اس مشتِ خاک کا سارا دارومدار رحمت ہی پر ہے۔ حدیثِ قدسی ہے؛

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ.

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے پسند فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں، لوگوں کو میری صفات کی معرفت ہو جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ مؤمنین کے بارے میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ ان کی جانوں اور مالوں کو اللہ تعالیٰ نے خود خرید لیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. (توبہ:۱۱۱)

ترجمہ: اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے اُن کی جان اور اُن کا مال اس قیمت پر کہ اُن کے لئے جنت ہے۔ (تفسیرِ عثمانی)

عجیب بندہ نوازی ہے کہ جو چیز ان ہی کی ملکیت ہے اور اسی پر انعام دے رہے ہیں۔ بندہ نوازی کا ایک اور عجیب نمونہ ملاحظہ کریں، اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ چیز خریدی ہے جس کا کوئی خریدار نہیں۔ کوئی جانور مرتا ہے تو اس کا چمڑا، ہڈی سب کام کا ہوتا ہے اور اچھے داموں بک جاتا ہے۔ ہمارا نہ چمڑا کام کا، نہ ہڈی کام کی، نہ گوشت کام کا، نہ خون وبال کام کے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو خرید رہا ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

بندہ عیب دار کس نہ خرد
باہزاراں عیوب خرید مرا

ترجمہ: عیبوں والے بندے کو کوئی نہیں خریدتا، ہزاروں عیبوں کے ساتھ مجھے خرید لیا۔

ان کی رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ ہر ایک کو دامنِ رحمت میں ڈھانپ لیتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ج وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ o

(انبیاء:۹۴)

ترجمہ: سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سو اکارت (ضائع) نہ کریں گے اس کی سعی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ" کہ ہم اس کے لکھنے والے ہیں۔ جو کام منشیوں اور کراماً کاتبین کا تھا وہ خود اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں۔ اس عزت افزائی اور ذرہ نوازی پر تو خوشی سے لوٹ جانا چاہئے۔انسان کے شرف اور فضیلت کے متعلق ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا o (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ: اور ہم نے عزت دی ہے آدمؑ کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور صحرا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو ہم نے پیدا کیا بڑھائی دے کر۔

(تفسیرِ عثمانی)

یہ چند اشارے انسان کی فضیلت اور شرف کے متعلق ہیں۔حدیث اور قرآن کے مطالعہ سے بے شمار ایسی آیات اور احادیث مل جائینگی جو انسان کی بزرگی، شرف اور فضیلت پر دال ہوں گی۔تواضع، کسرنفسی، خود شکنی اور خود انکاری بہت اچھی چیز ہے مگر اس کا ایک محل اور مقدار ہے۔ اگر وہ اپنے محل اور مقدار سے تجاوز کرے تو مضر اور وبال بن جائے گی۔افراط اور تفریط ہر چیز میں ناپسندیدہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے کو ناکارہ،، ہیچمدان، احقر، ذرہ بے مقدار، عاصی اور گناہگار کہا ہے لیکن کسی نے بھی ''کتے'' کی طرف اپنی نسبت نہیں کی ہے۔اپنے ساتھ سوءِ ظن بے شک مفید ومحمود ہے لیکن جب تک حد میں رہے۔ جب اپنی حد سے تجاوز ہو جائیگا، مذموم ہو جائیگا۔

حقیقتِ تواضع: تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے۔تواضع اسی کا نام نہیں کی زبان سے اپنے کو خاکسار، نیازمند، ذرہ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو واقعی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر وذلیل کرے تو نفس کو یوں سمجھا دیں کہ واقعی تُو تو ایسا ہی ہے پھر برا کیوں مانتا ہے۔اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر بھی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح وذم برابر ہو جائے۔عوام جہلاء کے نزدیک

تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جاوے، چائے وغیرہ پلائی جائے، کھانا کھلایا جاوے، نرمی سے بولا جائے، یہ تواضع کے عرفی معنیٰ ہے۔ حقیقی معنی سے بہت سے لوگ واقف نہیں۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ کے نزدیک تواضع کے معنی ہیں نرمی سے بولنا، جھک جھک کر سلام کرنا، جھوٹی باتیں بنانا۔ یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ تواضع اصل میں اپنے کو پست سمجھنا ہے نہ کہ پست بنانا۔ جھک جھک کر سلام کرنا اور باتیں بنانا اپنے کو بتکلف پست کرنا ہے یعنی بناوٹ ہے۔ اصل میں یہ بناوٹی تواضع بھی تکبر ہے جو تواضع کی ضد ہے۔ جو کوئی اپنے کو بہت متواضع بناتا ہو، جھک جھک کر سلام کرتا ہو، بہت ہی منکسر النفس ہو، ہر شخص سے آپ اور جناب سے بات کرتا ہو اور اپنے کو کہتا ہو کہ میں کس قابل ہوں، میں تو نالائق ہوں۔ اگر آپ اس وقت اس کو کہہ دیں کہ واقعی آپ تو نالائق ہیں، پھر اس کا غصہ اور ناراضگی دیکھئے ساری عمر کے لئے دشمن ہو جائے گا۔ اگر یہ بناوٹ نہ تھی اور جھوٹ نہیں تھا اور دل سے یہ الفاظ کہتا تھا تو پھر یہ اتنا غضب اور کینہ کیوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ اپنے کو نالائق اس لئے کہتا تھا تا کہ دوسرے اس کی زیادہ تعریف کریں کہ فلاں بڑے متواضع ہیں۔ یہ صورت تو تواضع کی ہے مگر حقیقت میں بڑا بننا اور تکبر کرنا مقصود ہے اور تواضع کی ضد ہے۔ اور جو واقعی متواضع ہیں وہ ایسے تصنع کے الفاظ کبھی نہیں کہتے۔ ان کی نسبت بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ اس میں توضع نہیں، اخلاق نہیں، کسی کو منہ نہیں لگاتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو عام مسلمانوں کے ساتھ بھی **اخفض جناح** (کندھے جھکانا یعنی عاجزی) اور تواضع کا حکم فرمایا ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعرآء: ۲۱۵)

ترجمہ: اور اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ (تفسیرِ عثمانی)

تواضع یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشے سمجھے اور اپنے کو ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ یہی تواضع اتفاق اور اتحاد کی جڑ ہے۔ تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے۔ تواضع اس کا نام نہیں کہ کہ زبان سے نیازمند، ذرہ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو۔ تواضع کہ یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور کمال عطا فرمائے ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے، محض اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت اور عطا سمجھے۔ بلکہ جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرے۔ تواضع کو تو اس لئے اختیار کرنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع اختیار کرے اور اپنے کو لاشے سمجھے۔ اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم

اس کو رفعت (بلندی) عطا کریں گے۔ لیکن رفعت کی نیت سے بھی تواضع اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

تواضع کی اہمیت: تواضع اتنی اہم چیز ہے کہ اگر انسان کے اندر تواضع نہ ہو تو یہی انسان فرعون اور نمرود بن جاتا ہے، اس لئے کہ جب دل میں تواضع نہیں ہوگی تو پھر تکبر ہوگا، اپنی بڑائی ہوگی اور یہ تکبر اور بڑائی تمام امراضِ باطنہ کی جڑ اور تمام گناہ اس کے انڈے بچے ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے **مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہ**. کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی سے نوازتے ہیں۔

تواضع عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں ''اپنے کو کم درجہ والا سمجھنا''۔ ''اپنے کو کم درجہ والا کہنا'' تواضع نہیں۔ مثلاً اپنے آپ کو 'احقر' کہہ دیا، 'ناچیز'، 'ناکارہ' کہہ دیا، 'خطاکار'، 'گناہ گار' کہہ دیا اور یہ سمجھتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعے تواضع حاصل ہوگئی بلکہ کمتر سمجھنا تواضع ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ میری کوئی حیثیت نہیں، میری کوئی حقیقت نہیں۔ اگر میں کوئی اچھا کام کررہا ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اس کی مہربانی اور عنایت ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ جب یہ حقیقت حاصل ہوجائے تو اس کے بعد چاہے زبان سے اپنے آپ کو حقیر، ناچیز، ناکارہ کہے یا نہ کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو شخص تواضع کی اس حقیقت کو حاصل کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔ تواضع تو ایک اچھی اور مطلوب صفت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حالت انسان میں پیدا ہوتی ہے جس کو احساسِ کمتری کہتے ہیں۔ یہ تواضع کے مشابہ ہے لیکن یہ اچھی صفت نہیں ہے۔ تواضع اور احساسِ کمتری میں فرق یہ ہے کہ احساسِ کمتری میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر شکوہ اور شکایت ہوتی ہے۔ احساسِ کمتری میں انسان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھے محروم اور پیچھے رکھا گیا ہے، میں مستحق تو زیادہ کا تھا لیکن مجھے کم ملا۔ یا یہ احساس کہ مجھے بدصورت پیدا کیا گیا، مجھے بیمار پیدا کیا گیا، مجھے غریب پیدا کیا گیا، مجھے دولت کم دی گئی، میرا رتبہ کم رکھا گیا، اس قسم کے شکوے انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں طبیعت میں جھنجلاہٹ پیدا ہوتی ہے اور پھر اس احساسِ کمتری کے نتیجے میں انسان دوسروں سے حسد کرنے لگتا ہے اور اس کے اندر مایوسی پیدا ہوتی ہے کہ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا۔

بہرحال احساسِ کمتری کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے شکوے پر ہوتی ہے۔ جہاں تک تواضع کا تعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوے سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شُکر کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ تواضع کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ مجھے یہ نعمت ملتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمادی۔ یہ ان کا کرم اور عطا ہے۔ میں تو اس کا مستحق نہیں تھا۔ اس سے اندازہ

لگائیں کہ تواضع اور احساسِ کمتری میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اس لیے تواضع پسندیدہ اور محبوب عمل ہے اور تکبر کی خاصیت ہی ہے کہ ''متکبر'' آخر ذلیل ہوتا ہے اور متواضع شخص کو بالآخر عزت حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ کہ صرف رفعت اور بلندی حاصل کرنے کے لیے جھوٹی اور بناوٹی تواضع نہ ہو۔ بلکہ وہ حقیقی تواضع ہو۔ تواضع کو اتنا بھی بڑھانا نہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اور احسانات کیے ہیں ان کی ناشکری ہو جائے۔ تواضع بھی ہو لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی نہ ہو۔ جیسے حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ٹرین کے ایک سفر میں کچھ لوگوں نے کھانا کھانا شروع کیا تو مجھے بھی کہنے لگے کہ حضرت تشریف لائے کچھ گوہ مُوت (پاخانہ، پیشاب) آپ بھی کھایئے۔ کھانے کو انہوں نے گوہ موت کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس کو آپ لوگ گوہ موت کیوں کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ تواضع کی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔ اگر ہم کھانے کو بڑی حیثیت دے دیں تو یہ تکبر ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اُس کا رزق ہے اس کو ایسے گندے لفظوں سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس طرح اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوبی عطا فرمائی ہو تو یہ اُس کی عطا ہے، اُس کی عطاؤں کا انسان شُکر کرے اور اس کی ناقدری نہ کرے۔ ایک طرف ناشُکری سے بچنا ہے دوسری طرف تکبر سے بھی بچنا ہے اور تواضع اختیار کرنی ہے۔ مثلاً نماز پڑھی، روزہ رکھا اور یہ سمجھا کہ میں نے کمال کر دیا، بہت بڑا عمل کیا تو یہ تکبر ہے اور اگر اپنے عمل کے متعلق کہا کہ یہ تو بے کار ہے اور اپنی نماز کے بارے میں کہا کہ بس ہم نے تو ٹکریں مارلیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور ناقدری ہے۔ لہذا نہ تو یہ ہو کہ اپنے عمل کو بہت بڑا سمجھ بیٹھے اور نہ اپنے عمل کو اتنا حقیر سمجھے جس سے ناشُکری ہو جائے۔ بس اللہ تعالیٰ کی طرف کسی عمل کی توفیق مل جائے تو شُکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عمل کی توفیق عطا فرمادی، اور استغفار کرے کہ عمل میں جو کمی کوتاہی ہوگئی ہو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے۔

ساری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ انسان نبی کریم ﷺ کی مبارک سنت کے مطابق عمل کرتا رہے اور ہر عمل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرے۔ انشاء اللہ اس سے تواضع کا بھی حق ادا ہو جائے گا، شکر کا بھی حق ادا ہو جائے گا اور تکبر بھی پاس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کی کثرت سے امراض باطنہ کی جڑ کٹ جائے گی۔ یہ شکر اتنی بڑی دولت ہے جو بہت سے امراضِ باطنہ کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ جتنی جتنی شکر کی کثرت ہوگی اتنی اتنی تواضع پیدا ہوگی اور تکبر سے دوری ہوگی اور امراضِ باطنہ دفع ہوں گی۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تواضع اگرچہ دل کا عمل ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دل میں بے حقیقت سمجھے اور کسی بھی کام میں عار نہ ہو۔ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

ایک خط کے سوالوں کا جواب

(جناب محمد عبدالباسط صاحب)

۱۔ نمازیں بحمدہ للہ باجماعت ادا ہو رہی ہیں ماسوا چند مرتبہ کے، باجماعت نماز کا اہتمام نصیب ہوجاتا ہے۔ مگر حضرت آج کل خاص کر نمازوں میں دھیان منتشر رہتا ہے اور نماز میں دھیان نہیں رہتا یعنی خشوع وخضوع کی بہت زیادہ کمی ہے۔ اس سے بندہ کو پریشانی بھی ہوتی ہے۔ حضرت والا سے درخواست ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں، نیز دعا بھی فرمائیں۔

جواب:۔ خشوع کی طلب، خشوع نہ ہونے کا قلق، خشوع پیدا کرنے کی کوشش یعنی بھٹکے ہوئے دھیان کو بار بار اللہ تعالیٰ کی حضوری کے دھیان کی طرف لانا اور جو کچھ نماز میں پڑھ رہے ہو اس کے معانی کو سوچنا، معنی کے ساتھ جو کیفیات متعلق ہیں ان کو اپنے دھیان، اپنی توجہ، اپنے باطن پر طاری کرنا، یہ مسلسل کوشش خشوع ہے۔ اپنے ٹوٹے پھوٹے ہونے کا دھیان اور اس کی وجہ سے دل میں جو نرمی پیدا ہوتی ہے وہ خضوع ہے۔ بس اس کوشش کے ہم پابند ہیں نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ حضرت! ذکر کرنے میں بھی کسی حد تک پابندی ہے۔ کبھی ہفتہ میں ایک آدھ مرتبہ چھوٹ بھی جاتا ہے مگر حضرت ابھی تک دل پر جبر کر کے نفس کو ذکر پر بٹھانا پڑتا ہے ورنہ خود سے شوق پیدا نہیں ہوتا اور شائد ناغہ کی بھی یہی وجہ ہے۔ حضرت کیا وقت کے ساتھ یہ شوق پیدا ہوجائے گا یا یہ میرے بُرے اعمال کی وجہ سے ہے۔

جواب:۔ کبھی تھکاوٹ، کبھی گردوپیش کی پریشانیاں اور کبھی معصیت (گناہ) اس کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن بخوشی یا بجبر اس کو کرتے رہنا، یہی چیز عمل کو ''عادت'' میں بدلتی ہے۔ عادت پر عمل آسان ہوجاتا ہے۔ عادت میں اخلاص پیدا ہوجائے تو وہ عبادت بن جاتی ہے۔

۳۔ حضرت! اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم جو بندہ پر ہے اور جو محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے اور بندہ یہ بھی سمجھتا ہے یہ احسان سلسلہ اور حضرت والا کی قبولیت اور برکات کے سبب ہے کہ بندہ کی نوکری اور پڑھائی دونوں مخلوط ماحول میں ہونے کے باوجود نظروں کی حفاظت کی ایسی توفیق عطا ہوئی ہے کہ ساتھ کام کرنے والیوں میں کسی ایک کو بھی نہیں پہچانتا۔ اسی طرح جس یونیورسٹی سے میں M.S. کر رہا ہوں وہاں پر بھی کسی ایک بھی لڑکی کو نہیں پہچانتا۔ بحمدہ للہ دل بھی ہر طرح کی غلط سوچ سے پاک رہتا ہے نیز اللہ پاک کا احسان ہے کہ نظروں کی

حفاظت کا اہتمام خاندان اور رشتہ دار نامحرموں سے بھی رہتا ہے۔ حضرت! بندہ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک بندہ کی اس کوشش کو قبول فرمائیں نیز بندہ کو استدراج اور خود پسندی کی بیماریوں سے بھی بچائیں اور اس نعمت کو محض نعمتِ الٰہیہ سمجھنے کی توفیق فرمائے رکھیں۔

جواب:۔ آمین۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ توفیق سلب ہو جائے تو بڑے بڑے گر جاتے ہیں۔

۴۔ حضرت! کچھ عرصہ سے بندہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور عظیم احسان یہ ہونے لگا ہے کہ فارغ اوقات میں از خود ذکر و تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے اور یوں وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ قیمتی بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کبھی لغو یا بے فائدہ گفتگو ہو جائے تو جلد ہی دل کو اس کا احساس ہو جاتا ہے نیز جب بھی کوئی بات گناہ کی صادر ہو جائے تو بحمدہ للہ جلد ہی توبہ اور تلافی کی توفیق عطا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بندہ کو فارغ رہنا بھی بھاری معلوم ہوتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ کسی تعمیری کام میں وقت صرف ہو۔ حضرت! یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور حضرت والا کے فیوض کا نتیجہ ہے۔ لیکن حضرت اس کے باوجود بندہ کو اپنے اوقات میں برکت معلوم نہیں ہوتی۔ بندہ کافی کام کرنا چاہتا ہے مگر فرصت ہی نہیں مل پاتی۔ حضرت! حصولِ برکت کے لیے دعا اور علاج تجویز فرمائیں۔

جواب:۔ ہر وقت باوضو رہیں اَللّٰھُمَّ لَا سَھْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَہٗ سَھْلًا وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ سَھْلًا اِذَا شِئْتَ اس دعا کو اپنی دعاؤں میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

۵۔ حضرت! بندہ کی یہ خواہش ہے کہ اللہ پاک بندہ کی جوانی، صحت اور عافیت کو اپنی محبت اور دین کے لیے قبول فرمالیں۔ اور اپنی رضا کے مطابق دین کی کوئی خدمت لے لیں۔ مگر اس لحاظ سے بندہ اپنے آپ کو بالکل ناکام پاتا ہے کہ دین کے کسی شعبہ میں بھی بندہ کی صلاحیتیں خرچ نہیں ہو پا رہیں۔ حضرت! بندہ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو قبول فرمالیں اور دین کی خدمت کا کام لے لیں اور اس کو امت کی فلاح کا اور بندہ کی نجات کا سبب بنا دیں۔

جواب:۔ اگر ممکن ہو سکے تو محلّہ کی مسجد میں، نہ ہو سکے تو اپنی بیٹھک میں کچھ ساتھیوں کو ساتھ کر کے ہمارے اصلاحی تین درجے کی کتابوں میں سے پہلے درجہ کا درس شروع کرلیں۔ خود کو بھی بہت فائدہ ہوگا اور دوسروں کو بھی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دعاؤں کا محتاج، محمد عبدالباسط خان

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (تیرہویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

حضرت مفتی عزیز الرّحمٰن صاحبؒ کی تواضع (تاریخ وفات یکم دسمبر ۱۹۲۸ء)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے علمی مقام کا اندازہ تنہا اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اس دور میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے جبکہ وہاں پر آفتاب و مہتاب علم مصروف تدریس تھے لیکن تواضع اور سادگی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص مقام دیا تھا۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے جو کمالات علمی اور عملی ظاہری اور باطنی عطا فرمائے تھے حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ان کا ادراک بھی آسان نہ تھا اور کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جبکہ غایت تواضع کا یہ عالم تھا کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلّہ کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے۔ بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب مفتی صاحب کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی مولوی صاحب یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتے اور اس عورت کی شکایت دور کرتے۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تقریباً ۱۳۲۵ھ میں جب احقر نے درجہ فارسی میں داخلہ لیا اس وقت سے حضرت مفتی صاحبؒ کو دور اور نزدیک سے دیکھنے کا مسلسل اتفاق ہوتا رہا، اس طرح بیس سال تک حضرت سے متعارف رہے، پھر خدمت کی سعادت نصیب ہوئی، اس طویل مدت میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت کو کسی پر غصہ آ رہا ہو یا اس کے متعلق ڈانٹ اور تنبیہ کے معمولی الفاظ بھی کہہ رہے ہوں۔ حلم و کرم اور حیا و مروت کا مجسمہ تھے، بڑے بڑے زبان دراز دشمنوں سے بھی سابقے پڑے مگر اس مرد خدا کی زبان پر ادب و تعظیم کے سوا کوئی دوسرا لفظ چلتا ہی نہ تھا۔ مجھے کبھی یاد نہیں کہ ان کی مجلس میں کسی برے سے برے آدمی کا برائی سے ذکر ہوتا ہو، اور کسی کی غیبت کا تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے ان کی مجلس میں کوئی شخص اگر غلط بات بھی کہتا تو غایت حیا اور مروت سے یہ کبھی نہ فرماتے تھے کہ تم یہ بات غلط

کہہ رہے ہو بلکہ اس کی بات کا صحیح محمل تلاش کر کے فرماتے تھے ’’گویا آپ کا مطلب یہ ہے‘‘ اور تغلیط و تردید کے الفاظ سے بچ جاتے تھے۔

علوم دینیہ کی انتہائی مہارت کے ساتھ تواضع اور احتیاط و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے درس میں اس کی شرح مرقاۃ کو سامنے رکھتے، جب کوئی طالبعلم سوال کرتا تو مرقاۃ ہی کی عبارت پڑھ کر جواب دے دیتے تا کہ کسی کو یہ احساس نہ ہو کہ یہ جواب ان کو پہلے سے معلوم تھا۔ تقریر اتنی سادہ کہ سننے والوں کو یہ احساس بھی نہ ہو کہ کوئی بڑا عالم تقریر کر رہا ہے۔

فتاویٰ سے شغف کا یہ عالم تھا کہ بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وفات سے پہلے ایک فتویٰ ہاتھ میں تھا جس کو موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینہ پر ڈال دیا تھا۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزا۔**

برسات میں بارہا دیکھا گیا کہ محلّہ کے مکانوں کی چھت ٹپکی اور محلّہ دار بیبیوں نے کہلا بھیجا کہ مفتی جی ذرا ہماری چھت دیکھ لو بہت ٹپک رہی ہے، یہ سنتے ہی حضرت اقدس لنگی باندھ کر بارش میں نکل کھڑے ہوتے اور محلّہ والوں کے مکانات کی چھتوں پر بارش میں مٹی ڈالنے کی خدمت انتہائی ذوق و شوق اور دردمندی کے ساتھ انجام دینا شروع فرمادیتے۔

حضرت مفتی صاحب کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں ایک بڑی بوڑھی عورت مقیم تھیں جنھیں سب ’’امّاں جی‘‘ کہا کرتے تھے، عمر میں بھی حضرت مفتی صاحب سے بڑی تھیں۔ انھوں نے ایک دن کہا عزیز الرحمٰن مکان کی چھت بہت خراب ہوگئی ہے بارش میں ٹپکا اتنا لگا ہے کہ رات بھر ٹپکنے میں گزر گئی ہے، مٹی ڈلوانے کا کوئی بندوبست کروا دو۔ فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ مٹی منگوائی اور ان کے گھر میں ڈھیر کرا دی، بوڑھی کہنے لگی عزیز الرحمٰن مٹی تو آ گئی ہے لیکن مزدور کوئی نہیں کہ اس کو چھت پر ڈال دے، فرمایا امّاں اس کا بھی بندبست ہو جائے گا، اس بارش میں لنگی باندھ کر خود چھت پر چڑھے اور خود ہی چھت پر مٹی ڈالنی شروع فرمائی، بارش میں بھیگتے ہوئے مٹی ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخار آ گیا، سخت تکلیف اٹھائی، مگر اس بوڑھی امّاں پر واضح نہ ہونے دیا کہ اس مٹی میں کونسے مزدور نے کام کیا اور اس محنت سے اس پر کیا گذری۔

کسی نمایاں مقام پر کسی اونچی خدمت کا انجام دیدینا آسان کام ہے کہ اس میں مدحِ خلائق اور نام آوری کے مواقع ممکن ہوتے ہیں لیکن یہ گمنام خدمات، اور وہ بھی ایسے چھوٹے درجہ کی کہ بڑائی پسند کبھی اس خدمت کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا بلکہ اسے اپنے وقار اور منصب کے خلاف سمجھتا ہے اور تحقیر کے ساتھ رد کردینا ہی اپنی شان سمجھتا ہے، انجام دینا کوئی آسان کام نہیں مگر حضرت اقدس اسے کیسی للّٰہیت، کیسے شغف اور کیسی دردمندی سے انجام دیتے تھے کہ اسے آنکھیں زیادہ محسوس نہیں کرسکتیں، دل محسوس کریں گے کہ اس کی کیا نوعیت تھی۔ یہ خدمت نہیں تھی، مجاہدہ عظیم تھا جسے عظماء (بڑے لوگ) ہی انجام دیتے ہیں۔ ہر ایک کا حوصلہ نہیں کہ ان خدمات کے قریب بھی آسکے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بزمانہ خلافت رعایا کے گھروں میں مشکیزہ اٹھا کر پانی تک بھر آتے تھے اور گمنام بوڑھیوں کے گھروں پر پہنچ کر ان کا کھانا تک پکا آتے تھے تو ان کے اس نقش قدم پر چلنا ہر ایک کا کام نہیں، یہ مفتی اعظم ہی جیسی بے نفس ہستیوں کا مقام تھا کہ خدمت خلق کے اس جذبہ سے سرفراز ہوں، اور انھیں کا حوصلہ اور نصیب تھا کہ وہ ان پاکیزہ اعمال کے لیے منتخب کئے گئے۔

جماعت دارالعلوم دیوبند میں آپ کی انکساری اور کسر نفسی کے یہ کارنامے سب کے نزدیک امتیازی شان رکھتے تھے، یہ شانِ بے ریائی اور تواضع کی یہ بے مثال عملی صورتیں دائرہ دارالعلوم میں آپ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھیں، جن کو یہاں کے تمام اکابر عظمت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور ان خدمات کو انہی کا حصہ سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رقمطراز ہیں:

مجھے سعادت حاصل ہے کہ میں نے جلالین شریف، مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمدؒ، اور طحاوی شریف حضرت اقدس سے پڑھی ہے۔ لفظ نہایت پھوکے پھوکے، گفتگو نہایت ہی دھیمی دھیمی، تقریر نہایت معصومانہ، لفظ لفظ سے رحمت و شفقت برستی تھی، کلمہ کلمہ سے بھولا پن، معصومیت اور سادگی ٹپکتی تھی، گویا ان کے دل میں کسی وقت بھی یہ تصور نہ تھا کہ میں کوئی چیز ہوں یا یہ درس قرآن و حدیث میرا کوئی عظیم کارنامہ ہے جو مجھ سے انجام پارہا ہے، یا یہ سینکڑوں شاگردوں اور مستفیدوں کا حلقہ میری کسی عظیم مقبولیت کی نشانی ہے۔ ان خیالات سے قلب خالی اور دماغ فارغ تھا۔ سوتے اور جاگتے میں جس ذات کو ہر وقت

یہ تصور رہتا ہو کہ دنیا نہ آرام کرنے کی جگہ ہے نہ پیر پھیلانے کی، اس کے قلب میں یہ خود پسندی یا خود بینی کے خیالات کیا سما سکتے۔ بہر حال انھیں اس کا کبھی دھیان بھی نہیں آتا تھا کہ میں کوئی بڑی شخصیت ہوں، یا مجھ سے علم وعمل کی کوئی بڑی خدمت انجام پا رہی ہے، بلکہ ہر وقت جس چیز کا دھیان رہتا تھا وہ یہ تھی کہ میں نہ کوئی چیز ہوں، نہ میری کوئی شخصیت ہے، نہ مجھ سے کوئی خدمت بن پڑ رہی ہے، میں بھی منجملہ عام مسلمانوں کے ایک مسلمان ہوں اور یہ تمام علمی وعملی خدمات میرے کسی جوہر کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف فضل خداوندی ہے جو کام کر رہا ہے، اسے مجھ جیسے ہزاروں بندے مل سکتے ہیں، میں اس کے بندوں میں لاشئے محض ہوں۔

اللہ اکبر سب کچھ کر کے یہ یقین رکھنا کہ کچھ نہیں ہوں بڑوں ہی کا کام ہے اور بڑا ہی مقام ہے، ملائکہ جیسی مقدس ہستیوں کا یہ مقام ہوگا کہ کمال معرفت کے باوجود قیامت کے دن پکارتے ہوں گے ما عرفناك حق معرفتك کہ اے پروردگار ہم تجھے کما حقہ پہچان ہی نہ سکے کہ تیرا کوئی حق ادا کرتے۔

انبیاء علیھم السلام جیسی مقدس ذوات کا یہ مقام ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ خالص ومخلصانہ عبادت میں بسر کر کے قیامت کے دن یہی کہتے ہوں گے کہ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ کہ اے مالک ہم تیری ایسی عبادت نہ کر سکے کہ تیرا حقِ بندگی ادا ہو سکتا۔

اور یا پھر ان برگزیدہ ہستیوں کے نائب اور وارثان نبوت حضرت مفتی اعظم جیسی ہستیوں کا مقام ہو سکتا ہے کہ سب کچھ کر کے دل میں کچھ کرنے کا دھیان تک نہ لائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فنائیت و بے نفسی کی انتہاء ایک ایسی ممتاز شان ہے جو ایسے ہی مقدسین کو نصیب ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۶ سے آگے)

یہ نہ سوچے کہ یہ کام میرے مرتبے کا نہیں اور آدمی اپنی نشست و برخاست میں، انداز و ادا میں، اور چلنے پھرنے میں ایسا طریقہ اختیار کرے جس میں تکبر نہ ہو بلکہ عاجزی اور انکساری ہو۔ انشاء اللہ جب ظاہری اعمال میں آدمی تواضع اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ دل کے اندر بھی تواضع پیدا فرمائینگے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَاالْمُضْغَۃَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنِ oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ
بَیْتِ الْعِظَّام.